مجگاؤں

پیارے !تم ظالم ہو،سنگدل ہو،بیوفا ہو، بے رحم ہو، بے درد ہو،جھوٹے ہو اور میں تمہیں کیا گالیاں دوں۔ اور کیا کوسوں، کاش تم اس وقت میرے سامنے ہوتے تو اس سنگدلی کا جواب دیتی۔ میں کہہ رہی ہوں،تم دغا باز ہو،میرا کیا کرلوگے،نہیں آتے ہومت آؤ، رلانا منظور ہوتو رلاؤ مگر میں روؤں کیوں،میری بلا روئے، جب آپ کو اتنا خیال نہیں کہ دو گھنٹہ کا سفر ہے ذرا اس کی خبر لیتا آؤں؟ تو مجھے کیا غرض ہے کہ روؤں اور جان کھوؤں۔

ایسا غصہ آرہا ہے کہ خط چاک کرکے رکھ دوں اور پھر تم سے بات نہ کروں۔ ہائے! تم نے میرے ارمان کیسے خاک میں ملا دیئے۔ ہولی، ہولی! اس ایک لفظ میں میرے لیے جادو بھرا تھا۔کسی کی زبان سے نکلا اور میرے دل نے گدگدانا شروع کر دیا۔مگر افسوس! ہولی گزر گئی اور میں ناکام اور نامرادرہ گئی۔ پہلے یہ لفظ سن کر دل میں گدگدی ہوتی تھی اب کلیجہ مسوستا ہے۔اپنی اپنی قسمت ہے، گاؤں کے بھوکے ننگے لنگوٹی میں بھاگ کھیلیں، خوشیاں منائی جائیں۔ رنگ اڑائیں اور میں بیوگنی اپنی چارپائی پر سفید ساڑھی پہنے پڑی ہوں، قسم لے لو جو اس پر ایک سرخ دھبہ بھی پڑا ہو۔قسم لے لو جو میں نے عبیر یا گلال ہاتھ سے چھوا ہو۔میری عطر سے بسی ہوئی عبیر، کیوڑے میں گھلی ہوئی گلال، تکلیف سے بنائے ہوئے پان سب تمہاری سرد بے مہری کا رونا رو رہے ہیں۔ مادھوی نے جب بہت ہٹ کی تو میں نے ایک سرخ ٹیکہ لگوالیا مگر آج ان شکایتوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔اگر پھر کوئی کلمہ شکایت زبان سے نکلے تو زبان کاٹ لینا۔

پرسوں سرشام ہی گاؤں میں چہل پہل مچنے لگی۔نوجوانوں کی ایک جماعت ہاتھ میں دف لیے مغلظات بکتی دروازے دروازے پھیرے لگانے لگی۔ مجھے نہ معلوم تھا

کہ آج یہاں اتنی گالیاں کھانی پڑیں گی۔شرمناک الفاظ ان کے منہ سے ایسے نکلتے تھے جیسے پھول جھڑے ہوں۔شرم و لحاظ کا نام نہ تھا۔باپ بیٹے پر، بیٹا باپ کے سامنے گالیاں بک رہا تھا۔باپ للکار کر بہو سے کہتا ہے ''آج ہولی ہے'' بہو گھر میں سر نیچا کیے سنتی ہے اور مسکرا دیتی ہے۔ہمارے پٹواری صاحب تو ایک ہی حضرت نکلے۔آب شراب میں مخمور نغمہ میں چور ایک میلی سی ٹوپی سر پر رکھے اس جماعت کے پیش رو تھے۔ان کی بہو بیٹیاں بھی ان کے مغلظات کی طغیانی سے بچ نہ سکیں۔گالیاں کھاؤ اور ہنسو۔اگر چہرے پر ذرا بھی ملال آئے تو لوگ سمجھیں گے اس کی محرم کی پیدائش ہے خوب رواج ہے۔

تین بجے شب کے قریب یہ جماعت ہولی ماتا کے پاس پہنچی۔لڑکے آتشبازیاں چھوڑ رہے تھے۔میں بھی کئی عورتوں کے ساتھ گئی۔وہاں عورتیں ایک طرف ہولیاں گا رہی تھیں۔آخر میں ہولی میں آگ لگنے کا وقت آیا۔آگ لگتے ہی دم کی دم میں شعلے بلند ہوئے اور سارا آسمان سنہرے رنگ میں رنگ گیا۔

دور دور کے پیڑ پتے منور ہو گئے۔اب اس آتش کدہ کے چاروں طرف لوگ ہولی ماتا کی جے جے چلا کر دوڑنے لگے۔سبھوں کے ہاتھوں میں گیہوں اور جو کی بالیاں تھیں جو وہ اس الاؤ میں پھینکتے جاتے تھے۔جب شعلے بہت بلند ہو گئے تو لوگ ایک کنارے کھڑے ہو کر پھر کبیر کہنے لگے۔ایک گھنٹہ تک یہی کیفیت رہی۔لکڑی کے کندوں سے چٹاخ چٹاخ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔مویشی اپنے اپنے کھونٹوں پر مارے ڈر کے چیخ رہے تھے۔تلسا نے مجھ سے کہا ''اب کی ہولی کی لوٹیڑھی جا رہی ہے۔کشل نہیں جب لو سیدھی اٹھتی ہے تو گاؤں میں سال بھر خوشی کا دور دورہ رہتا ہے۔لیکن لو کا ٹیڑھا ہونا منحوس ہے آخر شعلے تھمنے لگے۔آنچ کی تیزی کم ہوئی۔تب کچھ لوگ الاؤ کے نزدیک آ کر غور سے دیکھنے لگے جیسے کوئی چیز تلاش کر رہے ہوں۔تلسا نے بتلایا کہ جب بسنت کے دن ہولی کی بنیاد پڑتی ہے تو پہلے ایک ارنڈ گاڑ

دیتے ہیں۔ اسی پر اپلے اور لکڑی کا ڈھیر لگایا جاتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ اسی ارنڈ کے پودے کی تلاش کر رہے ہیں۔ اس شخص کا بہادروں میں شمار ہوتا ہے جو سب سے پہلے اس پودے پر ایسا نشانہ لگائے کہ وہ ٹوٹ کر دور جا گرے۔ پہلے پٹواری صاحب پینترا بدل کر آئے مگر دس گز کی دوری سے جھانک کر چلے گئے۔ تب رادھا ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سونٹا لے کر دلیرانہ مستقل مزاجی سے آگے بڑھا اور آگ میں گھس گیا اور بھرپور وار کیا کہ پودا الگ جا گرا۔ لوگ ان ٹکڑوں کو لوٹنے لگے۔ ماتھے پر اس کا ٹیکہ لگایا کرتے ہیں اور اسے متبرک سمجھتے ہیں''

یہاں سے فرصت پا کر یہ مردانہ جماعت دیوی جی کے استھان کی طرف بڑھی مگر یہ نہ سمجھنا کہ وہاں دیوی جی کا ادب کیا گیا ہوگا۔ آج وہ بھی گالیاں سننا پسند کرتی ہے۔ چھوٹے بڑے سب انہیں مغلظات سنا رہے تھے۔ چند دن پہلے انہیں دیوی جی کی پوجا ہوئی تھی۔ حق یہ ہے کہ دیہات میں اس وقت ایشور کو گالی دینا بھی معاف ہے۔ ماں بہن کا تو کہیں شمار ہی نہیں۔

سویرا ہوتے ہی لالہ جی نے مہراج سے کہا آج کوئی دو سیر بھنگ پسوا لو۔ اس کی دو قسمیں الگ الگ بنوا لو۔ نمکینا ور شیریں مہراج نکلے اور کئی آدمیوں کو پکڑ لائے۔ بھنگ پیسی جانے لگی۔ بہت سے کلہڑ منگا کر صفائی سے رکھے گئے۔ دو مٹکوں میں دونوں قسموں کی بھنگ بنائی گئی۔ پھر کیا تھی۔ تین چار گھنٹہ تک شائقین کا تانتا لگا رہا۔ لوگ تعریفیں کرتے ہیں اور سر ہلا ہلا کر مہراج کی کارگزاریوں کی داد دیتے ہیں، جہاں کسی نے قدردانی کی اور مہراج نے دوسرا کلہڑ بھرا اور بولے یہ نمکین ہے اس کا بھی سواد چکھ لو۔ اجی پی بھی لو۔ کیا روج روج ہولی آئے گی کہ روج روج ہمارے ہاتھ کی بنی ہوئی بوٹی ملے گی۔ اس کے جواب میں کسان ایسی نگاہوں سے تاکتا گویا کسی نے اسے نعمت دے دی ہے اور ایک کے بدلے تین کلہڑ چٹ کر جاتا پٹواری کے داماد منشی جگدمبا پرشاد صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ کچہری میں عرائض

نویس ہیں۔ انہیں مہراج نے اس قدر پلا دی کہ آپے سے باہر ہو گئے اور ناچنے کودنے لگے۔ گاؤں کا گاؤں انہیں آماجگاہ ظرافت بنائے ہوئے تھا۔ ایک کسان آتا اور ان کی طرف مسکرا کر کہتا ہے۔ تم یہاں ٹھاڑھی ہو۔ گھر جا کے کھانا پکاؤ ہم آوت ہیں اس پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑتا ہے۔ کاشی پھر دوہرا نشہ جمائے۔ لٹھ کندھے پر رکھے ہوئے آتا ہے، اور حاضرین کی طرف نقلی غصہ سے دیکھ کر گرجتا ہے ''مہراج! یہ بات اچھی نہیں کہ تم ہمرے نئے بڑھیا سے مجالوٹت ہو'' یہ کہہ کر وہ منشی جی کو سینہ سے چمٹا لیتا ہے۔ منشی جی بیچارے مختصر آدمی ادھر ادھر پھڑ پھڑاتے ہیں۔ مگر نقارے کی آواز میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ کوئی ان کو چومتا ہے، کوئی گلے لگاتا ہے۔ دوپہر تک یہی چھیڑ چھاڑ ہوا کی۔ ان کی دل لگی ایسی بھدی اور غلیظ ہوتی ہے کہ کوئی بار میرا جی بدمزہ ہو گیا۔ دوپہر ہو گئی۔ لیکن تلسا ابھی تک بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا آج ہمارے یہاں تمہارا نیوتہ ہے، ہم تم ساتھ کھائیں گے۔ یہ سنتے ہی مہراجن دو تھالیوں میں کھانا پروس کر لائیں۔ تلسا اس وقت کھڑکی کی طرف منہ کیے کھڑی تھی۔ میں نے جو اس کا ہاتھ کھینچ کر دیکھا تو اسے اپنی پیاری پیاری آنکھوں سے موتی کے دانے بکھیرتے دیکھا۔ جب میں بضد ہوئی تو اس نے سر نیچا کر کے کہا ''بہن آج سویرے ان پر نشان پڑ گیا۔ نہیں معلوم ان پر کیا بیت رہی ہو گی'' یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگی۔

معلوم ہوا کہ رادھا کے باپ نے کچھ قرض لیا تھا وہ ابھی تک ادا نہ ہو سکا۔ مہاجن نے سمجھا اسے حوالات لے چلوں تو روپیہ وصول ہو جائے گا۔ رادھا کنی کاٹتا پھرتا تھا۔ آج حریفوں کو موقع مل گیا تھا اور وہ اپنا کام کر گئے، افسوس، مواخذہ بیس روپیہ سے زائد نہ تھا۔ پہلے مجھے معلوم ہوتا تو غریب پر برس کے برس دن یہ تکلیف اور مصیبت نہ آتی۔ میں نے چپکے سے مہاراج کو بلایا اور انہیں بیس روپے دے کر رادھا کو رہا کرانے کے لیے روانہ کر دیا۔

اس وقت میرے دروازے پر ٹاٹ بچھا دیا گیا تھا۔ لالہ جی بیچ قالین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کسان لوگ گھٹنے تک دھوتیاں باندھے ہوئے، کوئی کرتہ پہنے، کوئی ننگے بدن، کوئی ننگے سر، کوئی پگڑی باندھے، کوئی ننگے منہ پر عبیر ملے (جوان کی کالی صورت پر خاص کیفیت پیدا کر رہی تھی) آنے لگے۔

جو آتا لالہ جی کے پیروں پر تھوڑی سی عبیر رکھ دیتا۔ لالہ جی بھی اپنی طشتری میں سے ذرا سی عبیر نکال کر اس کے ماتھے پر لگا دیتے اور مسکرا کر کوئی دل لگی کی بات کہہ دیتے وہ نہال ہو جاتا۔ زمین دوز ہو کر سلام کرتا اور ایسا خوش خوش آ کر بیٹھ جاتا گویا اسے کوئی دولت ملی ہے۔ مجھے خواب میں بھی گمان نہ تھا کہ لالہ جی ان اجڈ دیہاتیوں کے ساتھ بیٹھ کر ایسے مزے سے باتیں کر سکتے تھے۔ اسی اثناء میں کاشی پھر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی پیالی تھی۔ اس میں عبیر لیے ہوئے تھا مگر اس نے اوروں کی طرح عبیر لالہ جی کے پیروں پر نہیں رکھی بلکہ بڑی دلیری سے مٹھی بھر لے کر ان کے چہرے پر اچھی طرح مل دی۔ میں تو ڈری کہیں لالہ جی بدمزہ نہ ہو جائیں مگر وہ بہت خوش ہوئے اور خود بھی بجائے ایک ٹیکہ لگانے کے دونوں ہاتھوں سے اس کے منہ پر عبیر ملی۔ بعد ازاں مسکرا کر کہا۔

''آج اپنے گھر میں کہہ دینا ہمارے لیے بچھاون تیار رہے گا''

کاشی نے اسی طرح مسکرا کر کہا ''سرکار ہم برس کے برس دن کہاں جائیں گے''

اس وقت کاشی کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ اپنی نگاہ میں اُنے تمام ساتھیوں کا راجہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھی بھی اس کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ بے شک تو شیر ہے اور تو اس قابل ہے کہ ہمارا سردار بنے۔

اسی طرح ایک ایک کر کے دو ڈھائی سو آدمی جمع ہو گئے۔ یکا یک انہوں نے کہا'' آج کہیں رادھا نظر نہیں آتا۔ کیا بات ہے کوئی اس کے گھر جا کر دیکھے تو''، منشی جگد مبا پرشاد اظہار لیاقت کا اچھا موقع دیکھ کر بول اٹھے

''حضور وہ تو بعلت قرضہ زیر دفعہ 13 نمبر الف ایکٹ (ج) گرفتار ہو گیا۔ رام دین پانڈے نے وارنٹ کا خرچہ داخل کر دیا تھا۔ حسن اتفاق سے رام دین پانڈے بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ لالہ نے ان کی طرف حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا''

''کیوں پانڈے جی! اس غریب کو حوالات میں بند کرانے سے تمہارا گھر بھر جائے گا۔ یہی انسانیت اور شرافت اب رہ گئی ہے، تمہیں ذرا بھی رحیم نہ آیا کہ ہولی کے دن اسے بیوی بچوں سے الگ کر دیا۔ میں تو یہ ایمان سے کہتا ہوں کہ اگر میں رادھا ہوتا تو جیل خانہ سے واپس آنے کے بعد میری پہلی کوشش ہوتی کہ جس نے مجھے یہ دن دکھایا ہے، اسے میں بھی کچھ دن ہلدی ملوا دوں۔ تمہیں شرم نہیں آئی کہ اتنے معتبر مہاجن ہو کر تم نے بیس روپے کے لیے ایک غریب آدمی کو یوں مصیبت میں ڈالا۔ ڈوب مرنا چاہئے، ایسا لالچ؟''

لالہ جی کو واقعی غصہ آ گیا تھا۔ رام دین ایسا خفیف ہوا کہ سب سٹی پٹی بھول گیا۔ منہ سے بات نہ نکلی، چپکے سے کچہری کی طرف چلے گئے۔ سب کے سب کسان اس کی طرف غضبناک نگاہوں سے تاک رہے تھے۔ اگر لالہ جی کا خوف نہ ہوتا تو پانڈے جی کی ہڈی پسلی چور ہو جاتی۔

اس کے بعد لالہ جی گھر میں آئے اور اپنے کمرہ میں بیٹھ کر بنت عنب سے شوق کرنے لگے۔ باہر حاضرین محفل نے گانا شروع کیا۔ نشہ میں تو سب کے سب چور ہو رہے تھے۔ اس پر لالہ جی نے ان برادرانہ خاطر و مدارت نے ان کے دلوں کو اور بھی ابھار دیا تھا، خوب ہی جی توڑ کر گایا۔ ڈفلی تو ایسی زور سے بجتی تھی کہ اب پھٹی اور اب پھٹی۔ جگدمبا پرشاد نے دوہرا نشہ جما دیا تھا۔ کچھ تو ان کے دل میں خود بخود امنگ پیدا ہوئی، کچھ دوسروں نے اشتعا لک دیا۔ آپ بیچ مجلس میں کھڑے ہو کر ناچنے لگے۔ یقین مانو میں نے اچکن ٹوپی دھوتی اور رمانچھوں والے آدمی کو ناچتے نہ

دیکھا تھا، آدھ گھنٹہ تک وہ بندروں کی طرح اچھلتے کودتے رہے، آخر نشہ نے انہیں زمین پر سلا دیا۔ ان کے بعد ایک اہیر اٹھا، ایک اہیرن بھی زنانہ جماعت سے نکلی، اور دونوں میدان میں جا کر ناچنے لگے۔ دونوں نوجوان تھے اور پرتیلے۔ ان کی طرف کمر اور پشت کی لچک واقعی حیرت انگیز تھی۔ دف تال دے رہا تھا، ان کے رمزو کنائے، عشوے غمزے، کمر کا لچکنا اور بوٹی بوٹی کا پھڑکنا، گردن کا موڑ دیکھ کر اور اعضاء کا پھڑکنا دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ بہت مشق اور محنت کا کام تھا مگر اکثر ادائیں اور کنائے بے حیائی اور بے شرمی کا پہلو لیے ہوئے تھی۔ تلسا بھی ناچتی ہے مگر رادھا کے سوائے اور کسی کے ساتھ نہیں اور چاہیے بھی یہی۔

ابھی یہاں ناچ ہو ہی رہا تھا کہ سامنے سے بہت سے آدمی لمبی لمبی لاٹھیاں کندھوں پر رکھے آتے دکھائی دیئے۔ ان کے ساتھ ایک ڈف بھی تھا اور کئی آدمی ہاتھوں میں جھانجھ اور مجیرے لیے ہوئے تھے۔ وہ گاتے بجاتے آئے اور ہمارے دروازے پر رکے۔ یکا یک تین چار آدمیوں نے مل کر ایسی آرررر کبیر کا نعرہ لگایا کہ مکان ہل گیا۔ لالہ جی نکلے یہ لوگ اسی موضع کے تھے، جہاں نکاسی کے دن لاٹھیاں چلی تھیں۔ لالہ جی کو دیکھتے ہی کئی آدمیوں نے ان کے منہ پر عبیر ملی۔ لالہ جی نے جواب دیا۔ پھر لوگ فرش پر بیٹھے۔ الائچی اور پان سے خاطر کی گئی۔ اس گاؤں والوں نے بھی عبیریں ملیں۔ اور ملوائیں۔ جب یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو یہ ہولی گائی۔

سدا آنند رہے اس دوارے

موہن کھیلیں ہولی

کتنا خوبصورت گیت ہے۔ مجھے تو اس میں جذبہ اور اثر کوٹ کوٹ کر بھرا معلوم ہوتا ہے۔ ہولی کی غرض وغایت کیسے معصوم سادے اور مختصر الفاظ میں بھرا ہے بیان کردی گئی ہے۔ سدا آنند رہے اس دوارے۔ موہن کھیلیں ہولی۔

میں بار بار یہ پیارا گیت گاتی ہوں اور مزہ لیتی ہوں۔ ہولی کا تہوار آپس میں پیار اخلاص ومحبت اور اتحاد بڑھانے کے لیے ہے۔ ممکن نہ تھا کہ وہی لوگ جن سے چند روز قبل ماتھا پھٹول کی نوبت آ چکی تھی اس گاؤں میں وہی لوگ یوں بے محابا چلے آتے ہیں۔ مگر ہولی کا دن تھا۔ آج کسی کو کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ آج امن کی بادشاہت ہے۔ آج خوشی کا دور ہے۔ آج کے دن اگر رنج تو پردیسی بالم کی ابلا اور روئے تو نوجوان بیوہ، ان کے سوا اور سب کے لیے خوشی کا صلائے عام ہے کہ خوب مزے کرو اور گلچھرے اڑاؤ

آنے جانے والوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ یکا یک لالہ جی کی متین آواز آ ررر کبیر کہتی ہوئی سنائی دی مجھے حیرت ہوئی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو واقعی وہی کانوں پر ہاتھ دھرے آ رررر کی ہانک لگا رہے تھے۔ کبیر یہ ہے!

ہولی کے دن آئے پیارے کہ گھر گھر ڈھنڈورا دیو پھرائے

جو، اب مدرا نہ پیے واکو ساتوں جنم نسائے

خوب، لالہ جی کی زبان سے اور یہ ہولی۔ شام کے وقت گاؤں کی سب عورتیں ہمارے یہاں ہولی کھیلنے آئیں۔ ہر ایک اپنے اپنے لوٹے میں گھولی ہوئی عبیر لیے ہوئی تھی۔ اماں نے انہیں بڑی عزت سے بٹھایا۔ رنگ کھیلا، پان تقسیم کیا، میں مارے خوف کے باہر نہ نکلی، اس طرح نجات ملی، اب مجھے خیال آیا کہ مادھوری دوپہر سے غائب ہے میں نے سوچا کہ گاؤں گاؤں میں ہولی کھیلنے گئی ہے۔ میں نے دیکھا مگر ان عورتوں کے ساتھ نہ تھی

تلسا ابھی چپ چاپ من مارے کھڑکی کی طرف منہ کیے بیٹھی تھی۔ چراغ میں بتی پڑ رہی تھی کہ وہ یکا یک اٹھی اور میرے پیروں پر گر کر رونے لگی۔ میں نے کھڑکی کی طرف جھانکا تو دیکھتی ہوں کہ آگے آگے مہاراج ان کے پیچھے رادھا اور سب سے پیچھے رام دین پانڈے چلے آ رہے ہیں۔ گاؤں کے بہت سے آدمی ان کے ساتھ

ہیں۔ رادھا کا چہرہ مرجھایا ہوا ہے۔ لالہ جی نے جوں ہی سنا کہ رادھا آ گیا۔ چٹ باہر نکل آئے اور بڑی محبت سے اسے گلے لگا لیا۔ جیسے کوئی اپنے بیٹے کو گلے لگاتا ہے۔ رادھا چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ تلسا سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ گاؤں کے بہت سے آدمی رو رہے تھے، نہایت دردناک سین تھا۔ رام دین پانڈے سر نیچا کیے ایسا کھڑا تھا جیسے گئیو ہتیا کی ہو۔ میرے روپے مل گئے مگر نیت ہے اسے تلسا کے لیے ایک گائے لینے میں خرچ کر دوں۔

رادھا اور تلسا دونوں اپنے گھر آئے۔ مگر ذرا دیر میں تلسا مادھوری کا ہاتھ پکڑے ہنستی ہوئی میرے کمرے میں آئی اور بولی ''ان سے پوچھو یہ اب تک کہاں تھیں؟''

میں: ''کہاں تھیں تم؟ دوپہر سے غائب ہے''

مادھوری: ''یہیں تو تھی''

میں: ''یہاں کہاں تھیں میں نے دوپہر سے نہیں دیکھا۔ سچ سچ بتا دو، میں ناراض نہ ہوں گی''

تلسا: (ہنس کر) ''سوتی کاہے کو رہیں، جاگتی رہیں، کھانا پکاتی رہیں، چوکا برتن کرتی رہیں''

مادھوری: ''تلسا کے گھر چلی گئی تھی''

میں: ''تلسا تو یہاں بیٹھی ہے، وہاں اکیلے کیا سوتی رہیں؟''

مادھوری: ''ہاں چوکا برتن کرتی رہیں کوئی تمہارا نوکر لگا ہوا ہے''

معلوم ہوا کہ جب سے میں نے مہاراج کو رادھا کو چھڑانے کے لیے روانہ کیا تھا تب سے مادھوی تلسا کے گھر کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ اس کے کواڑ کھولے۔ یہاں سے آٹا لیا۔ گھر شکر سب کچھ لے گئی۔ آگ جلائی، اور پوریاں، کچوریاں، گلگلے، میٹھے سموسے سب بڑی نفاست سے بنائے۔ اس نے سوچا تھا کہ یہ سب بنا کر چپکے سے چلی جاؤں گی۔ جب رادھا اور تلسا آئیں گے تو تعجب کریں گے کہ کون بنا

گیا مگر غالباً دیر ہوگئی اور مجرم پکڑا گیا۔ دیکھو کیسی نیک بخت لڑکی ہے۔

اتنی سمع خراشی کے بعد رخصت ہوتی ہوں، شکایتیں معاف کرنا، تمہاری چیری ہوں، جیسے رکھو گے۔ ویسے رہوں گی، عبیر اور گلال بھیجتی ہوں۔ یہ تمہاری کنیز کا تحفہ ہے۔ تمہیں ہماری قسم جھوٹی تہذیب کے جوش میں آکر اسے پھینک نہ دینا ورنہ میرا دل دکھے گا۔

تمہاری

برج

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مجگاؤں

پیارے! تمہارے خط نے بہت رلایا، اب نہیں رہا جاتا، مجھے بلا لو، ایک نظر دیکھ کر چلی آؤں گی۔ سچ بتاؤ۔ اگر میں تمہارے یہاں آ جاؤں تو مسخرے پن کی تو نہ لو گے۔ نہیں معلوم دل میں کیا سمجھو گے مگر کیسے آؤں۔ تم لالہ جی کو لکھو، خوب! وہ کہیں گے یہ نئی دھن سمائی ہے۔ کل چارپائی پر پڑی تھی۔ سویرا ہو گیا تھا۔ خوب ٹھنڈی ٹھنڈی، دھیمی دھیمی ہوا چل رہی تھی کہ عورتوں کے گانے کی آواز آئی عورتیں اناج کاٹنے جا رہی تھی۔ جھانک کر دیکھا تو دس بارہ عورتوں کی ایک جماعت تھی۔ سبھوں کے ہاتھوں میں ہنسیا، کندھے پر گٹھیا باندھے کی رسی اور سر پر بھنے ہوئے مٹر کی چھری تھی۔ یہ اس وقت جاتی ہیں۔ کہیں بارہ بجے لوٹیں گی۔ آپس میں گاتی چہلیں کرتی چلی جاتی تھیں اور گیت بھی کیسا سہانا تھا۔

مورے سیاں گھر آئے، رتیاں
چن چن کلیاں میں سیج بچھایوں
سیج نہ سوئے دھرے موری بہیاں
مورے سیاں گھر آئے، رتیاں

صبح کا وقت، مستانہ آوازیں، مسرت بھرے ہوئے دل، یہ گیت بہت مزیدار معلوم ہوتا تھا۔ ان کے سیاں گھر آئے، کیا میرے گھر میں بھی کبھی سیاں آئیں گے؟

دوپہر تک بڑی خیریت سے گزری۔ یکا یک آسمان پر بادل چھا گیا، آندھی آ گئی اور اولے گرنے لگے۔ میں نے اتنے بڑے اولے گرتے نہ دیکھے تھے۔ آلو سے بڑے اور ایسی تیزی سے گرتے جیسے بندوق کی گولی۔ دم کی دم میں زمین پر ایک فٹ اولے کا اونچا سفید فرش بچھ گیا۔ چوفرطہ سے کسان بھاگنے لگے۔ گائیں بیل بکریاں سب چلاتی ہوئے پیڑوں کا سایہ ڈھونڈتی پھرتی تھیں۔ میں ڈوری کہ نہیں معلوم تلسا

پر کیا بیتی۔نظر دوڑا کر دیکھا تو ایک کھلے میدان میں جو اناج کے کٹ جانے سے کفت دست ہو رہا تھا۔تلسا، رادھا اور موہنی گائے نظر آئیں۔تینوں گھمسان اولوں کی زد میں پڑے ہوئے تھے۔تلسا کے گھر سر پر ایک چھوٹی سی ٹوکری نظر آئی اور رادھا کے سر پر ایک بڑا سا گٹھا۔میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے کہ نہیں معلوم ان بیچاروں کا کیا حشر ہوگا۔دفعتاً ایک سخت جھونکے نے رادھا کے سر سے گٹھا گرا دیا۔ گٹھے کا گرنا تھا کہ دم زدن میں تلسا نے اپنی ٹوکری اس کے اس پر اوندھا دی۔نہیں معلوم اس پھول سے جسم پر کتنے اولے پڑے۔اس کے ہاتھ کبھی پیٹھ پر جاتے کبھی سر سہلاتے۔ایک سیکنڈ تک سے زیادہ یہ حالت رہی ہوگی کہ رادھا نے بجلی کی تیزی سے جھپٹ کر گٹھا اٹھالیا اور ٹوکری تلسا کو دے دی۔کیسی زبردست محبت ہے۔

ظالم آسمان نے سارے سامان بگاڑ دیئے سویرے عورتیں گاتے ہوئے جا رہی تھیں شام کو گھر گھر ماتم بپا تھا۔کتنوں کے سر لہولہان ہو گئے۔کتنے ہلدی پی رہے تھے۔فصل ستیاناس ہوگئی۔اناج برف کے تلے دب گیا۔بخار کا زور ہے۔سارا گاؤں اسپتال بنا ہوا ہے۔کاشی بھر کی پیشن گوئی صادق آئی۔ہولی کے شعلوں کا راز ظاہر ہوگیا۔فصل کا یہ حال ہے اور مالگزاری وصول کی جا رہی ہے۔بڑی بدعت ہو رہی ہے۔مار دھاڑ، گالی گفتہ،غرض سبھی سے کام لیا جا رہا ہے،غریبوں پر یہ قہر خدا۔

تمہاری

برجن

مجگاؤں

میرے جان سے پیارے بالم!

پورے پندرہ دن کے بعد تم نے برجن کو یاد کیا۔ خط کو بار بار پڑھا، چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ اور ایک ایک حرف کا مزہ لیا۔ تمہارا خط بلا رلائے نہیں مانتا۔ میں یوں بھی بہت رویا کرتی ہوں۔ تم کو کن کن باتوں کی یاد دلاؤں۔ میرا دل ایسا کمزور ہے کہ جب کبھی ان باتوں کی طرف خیال جاتا ہے تو عجیب بے چینی سی ہو جاتی ہے۔ گرمی سی معلوم ہونے لگتی ہے اور ایک بڑا بے چین کرنے والا، بڑا بامزہ، بہت رلانے والا، بہت پر درد حسرت محسوس ہونے لگتا ہے۔ جانتی ہوں کہ تم نہیں آ رہے ہو۔ اور نہ آؤ گے مگر بار بار دروازہ پر جا کر کھڑی ہو جاتی ہوں کہ تم آ تو نہیں گئے۔ آج کل تمہارے لیے ایک بوٹے دار قمیض تیار کر رہی ہوں۔ جی چاہتا ہے تم یہاں آتے، میں کہتی ذرا ٹھہرو۔ دیکھو ٹھیک کٹی ہے یا نہیں، تب سلائی طے کرنے لگتی۔ تم کچھ اور مانگتے میں کچھ اور مانگتی مگر لو، ایسی باتیں نہ کروں گی، تمہارا ہرج ہوگا۔

کل شام کو یہاں ایک بڑا دلفریب تماشا دیکھنے میں آیا۔ یہ دھوبیوں کا ناچ تھا۔ پندرہ بیس آدمیوں کی ایک جماعت تھی۔ ان میں نوجوان شخص سفید پشواز پہنے کمر میں بے شمار گھنٹیاں باندھے سر میں گھنگرو پہنے۔ سر پر ایک لال ٹوپی رکھے ناچ رہا ہے۔ جب یہ شخص ناچتا تو مردنگ بجنے لگتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ہولی کا انعام مانگنے آئے ہیں۔ یہ ذات بھی عجیب انعام لینے والی ذات ہے۔ آپ کے یہاں کوئی کام کاج ہو تو انہیں انعام دیجیے اور ان کے یہاں کام کاج ہو تو بھی انعام دیجیے یہ لوگ ناچتے وقت گیت نہیں گاتے۔ ان کا گانا ان کی شاعری ہے پشواز والا شخص ڈھول پر ہاتھ رکھ کر ایک برہا کہتا ہے، دوسرا آدمی سامنے آ کر اس برہے کا جواب دیتا ہے اور دونوں فی البدیہہ کہتے ہیں اس ذات میں شاعرانہ قابلیت بہت زیادہ ہے۔

ان برہوں کو غور سے سنو تو ان میں بعض بہت باریک شاعرانہ خیالات ادا کیے جاتے ہیں۔ پشوا زوالے شخص نے جو پہلا برہا کہا تھا اس کے یہ معنی تھے کہ اے دھوبی کے بچو! تم کس کے دروازے پر کھڑے ہو؟ دوسرے نے جواب دیا تھا اب نہ اکبر شاہ ہے نہ راجہ بھوج۔ اب جو ہیں ہمارے مالک ہیں انہی سے مانگو، تیسرے برہے کا مطلب تھا کہ منگتوں کی عزت کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے تم لوگ کچھ سوال مت کرو۔ گا بجا کر چلے چلو۔ دینے والا بن مانگے ہی دے گا۔ گھنٹہ بھر یہ لوگ برہے کہتے رہے۔ تمہیں یقین نہ آئے گا۔ ان کے منہ سے برہے اس طرح بے تکلف نکلتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ شاید اتنی آسانی سے وہ بات چیت بھی نہ کر سکتے تھے۔ یہ ذات بڑی بلا نوش ہے۔ اتنا درجہ کی پیکڑ شراب پانی کی طرح پیتے ہیں۔ بیاہ میں شراب، گونے میں شراب، پوجا پاٹ میں شراب، پنچایت میں شراب، انعام مانگیں گے تو پینے کے لیے، دھلائی مانگیں گے تو یہ کہہ کر آض پینے کو پیسہ نہیں ہے۔ رخصت ہوتے وقت بیچو دھوبی نے جو دعائیہ برہا کہا تھا وہ شاعرانہ استعارت سے بھرا ہے۔

''تمہارا پریوار اس طرح بڑھے جیسے گنگا کا پانی، لڑکے پھلیں پھولیں جیسے آم کی بور مالکن کا سہاگ سدا بنا رہے۔ جیسے دوب کی ہریالی۔۔۔۔۔'' کیسی نادر شاعری ہے

زیادہ بجز اشتیاق دیدار کے اور کیا لکھوں؟

تمہاری

برجن

مجگاؤں

پیارے! ایک ہفتہ تک خاموش رہنے کی معافی چاہتی ہوں خوب! آپ کو شکوہ شکایت کا کیسا نادر موقع ہاتھ آیا ہے۔ واہ رے ہٹ دھرمی، مجھ پر یہ الزام کہ ہفتوں سدھ نہیں لیتی ہو۔ بجا فرماتے ہو میرے خط گن کر دیکھو تو ابھی کچھ نہ تو نصف درجن چٹھیوں کے دیندار ہو گے، مجھے اس ہفتہ میں بالکل فرصت نہیں ملی۔ مادھوری بیمار ہو گئی تھی۔ پہلے تو کونین کی تین چار پڑیاں کھلائی گئیں۔ مگر جب اس سے افاقہ نہ ہوا اور اس کی حالت بہت خراب ہو گئی تو دہلو رائے بید بلائے گئے۔ کوئی پچاس کا سن ہو گ۔ ابرہنہ پا، سر پر ایک پگڑی باندھے، کندھے پر ایک انگوچھا رکھے ہوئے ہاتھ میں موٹا سا سونٹا لیے دروازہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ گھر کے بڑے زمیندار ہیں مگر ان کے بدن پر کسی نے سیدھی مرزئی نہیں دیکھی۔ انہیں اتنی فرصت ہی نہیں کہ اپنی تن پروری کی طرف متوجہ ہوں۔ اس نواح میں آٹھ دس کوس تک لوگ ان کے معتقد ہیں۔

نہ وہ حکیم کو جانیں نہ ڈاکٹر کو، ان کا حکیم ڈاکٹر جو کچھ ہیں وہ دہلو رائے ہیں۔ پیغام سنتے ہی آ جاتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی طرح سواری پہلے نہیں مانگتے وہ بھی چاک چست تا کہ ان کا وقت ضائع نہ ہو۔

آپ کے گھر آ کر ایسے خاموش بیٹھے رہیں گے گویا گونگے کا گڑ کھا گئے ہیں مریض کو دیکھنے جائیں گے۔ تو اس طرح بھاگیں گے گویا کمرے کی ہوا میں زہر بھری ہوئی ہو۔ تشخیص مرض تجویز دوا۔ سب کچھ دو منٹ میں ختم، دہلو رائے ڈاکٹر نہ سہی، مگر جتنے آدمیوں کو ان کی ذات سے فیض پہنچتا ہے، ان کی تعداد کا اندازہ محال ہے۔ ہمدردی ان کا اصول ہے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی مریض کا آدھا روگ دور ہو جاتا ہے ان کے نسخے ایسے سہل اور عام کہ بلا دام کوڑی خرچ کیے منوں بٹور لائیے۔ تین ہی دن میں مادھوی چلنے پھرنے لگی۔ واقعی ان صاحب کی دوا میں اعجاز

ہے۔

یہاں ان دنوں مغلیے اودھم مچائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ جاڑے میں کپڑا دے جاتے ہیں، اور چیت میں دام وصول کر لیتے ہیں۔ اس وقت کوئی عذر نہیں سنتے۔ گالی گلوچ، مار پیٹ سبھی باتوں پر اتر آتے ہیں۔ دو تین آدمیوں کو بہت مارا۔ رادھا نے بھی کچھ کپڑے لیے تھے۔ اس کے دروازے پر جا کر سب کے سب گالیاں بکنے لگے۔

تلسا نے اندر سے کواڑ بند کر لیے۔ جب یوں بس نہ چلا تو ایک نے موہنی گائے کھونٹے سے کھول لی اور کشاں کشاں چلا۔ اتنے میں رادھا دور سے آتا دکھائی دیا۔ آتے ہی اس نے لاٹھی کا وہ بھرپور ہاتھ دیا کہ مغلیے کی کلائی لٹک پڑی۔ تب تو مغلیے گرم ہوئے۔ پینترے بدلنے لگے۔ رادھا بھی جان پر کھیل گیا اور دو تین بدمعاشوں کو بے کام کر دیا۔ اتنے میں کاشی بھر نے آ کر ایک مغلیے کی خبر لی۔ دہلو رائے کو مغلیوں سے چڑ ہے۔ وہ فخریہ کہا کرتے ہیں کہ میں نے ان کا اتنا روپیہ ڈبو دیا۔ اتنوں کو پٹوا دیا۔ یہ شور وغل سنتے ہی پہنچ گئے اور للکارا، صدہا آدمی لاٹھیاں لے کر دوڑے اور مغلیوں کی خوب مرمت ہوئی، یقین ہے کہ اب ادھر آنے کی جرأت نہ کریں گے۔

اب تو مئی کا مہینہ گزرا کیا۔ ابھی فرصت نہیں ہوئی۔ رات دن تمہارے آنے کا انتظار ہے شہر میں بیماری کم ہوگئی اور ہم لوگ بہت جلد چلے جائیں گے۔ افسوس تم اس پیارے گاؤں کی سیر نہ کر سکو گے۔

تمہاری

برجن

پیارے! تمہاری خاموشی مارے ڈالتی ہے۔کل ہم لوگ شہر آ گئے۔اب تم بھی آؤ۔وہاں پڑے پڑے کیا کر رہے ہو۔دو تین خط لکھ چکی مگر نہ آتے ہو، نہ جواب دیتے ہو،رات دن آنکھیں دروازے پر لگی رہتی ہیں۔رات کو آنکھیں نہیں جھپکتیں۔ کتا بھونکا اور میرا دل دھڑکنے لگا۔بگھی کی آواز آئی اور میں چونک کر اٹھ بیٹھی۔شاید مجھ سے ناراض ہو۔

خیر یہاں کسی طرح آ جاؤ،تمہاری ناراضگی کا علاج تو میرے پاس ہے۔اب رخصت ہوتی ہوں، چراغ کے سامنے نہیں بیٹھا جاتا۔ایشور کرے سویرے تمہارا درشن ہو اور یہ خط گھومتا ہوا یہیں آوے

تمہاری

برجن

9

پیارے! لالہ جی کو خط لکھا اور مجھے نہیں! میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے۔ خیر شکر ہے تم خیریت سے تو ہو میرے لیے یہی بہت ہے۔ اب آنے کے لیے کبھی نہ کہوں گی، جو کچھ دل پر بیتے گی سہہ لوں گی۔ کس کے آگے روئے اپنا دیدہ کھوئے، لو رخصت!

بہت رہے مراد آباد جاؤ، یہاں تمہارا کون ہے

تمہاری

برجن

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

بالک رام اور کملا چرن

پرتاپ چند کو الہ آباد کالج میں پڑھتے تین سال ہو چکے تھے اور اس مدت میں اس نے ہم چشموں اور اساتذہ کی نگاہوں میں بہت ممتاز درجہ حاصل کر لیا تھا۔ کالج کی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہ تھا، جہاں اس کے کمالات نے قدر دانی کا سہرا نہ پہنا ہو۔ پروفیسر اس پر فخر کرتے اور طلبا اسے اپنا رہنما سمجھتے۔ جس طرح کھیل کے میدان میں اس کا دست اعجاز نمایاں تھا، اسی طرح لیکچر روم میں اس کی قابلیت اور نکتہ رسی مسلمہ تھی کالج کے متعلق ایک انجمن احباب قائم کی گئی۔ شہر کے علم دوست روسا، کالج کے پروفیسر سب اس کے ممبر تھے۔ پرتاپ اس انجمن کا ماہ درخشاں تھا۔ یہاں ملکی و تمدنی مسائل پر مباحثے ہوا کرتے تھے، اور پرتاپ کی تقریریں ایسی پر زور اور مدلل ہوتیں کہ پروفیسروں کو بھی اس کی وسعت تحقیقات اور تلاش پر حیرت ہوتی۔ اس کی تقریریں اور تحریر دونوں ہی میں جادو تھا۔ جس وقت وہ اپنا سادہ لباس پہنے پلیٹ فارم پر جاتا تو حاضرین کی آنکھیں اس کی طرف اٹھ جاتیں اور دلوں میں گدگدی ہونے لگتی۔ اس کا انداز تقریر، اس کے اشارے، اس کا لب ولہجہ، اس کے اعضاء کی حرکت سبھی ایسے موثر تھے کہ اس کی تقریر میں گویا قدرت نے اثر بھر دیا ہے۔ جب تک پلیٹ فارم پر رہتا حاضرین پر ایک تسخیر کا عالم ہوتا۔ مرحبا کے نعرے بار ہا بلند ہوتے۔ اس کا ایک ایک فقرہ دلوں میں چبھ جاتا اور زبان سے بے اختیار واہ واہ کا شور بلند ہوتا۔ اسی خیال سے اس کی تقریریں عموماً اختتام کے وقت ہوا کرتی تھیں کیونکہ زیادہ تر سرکار انجمن صرف اس کی گرم زبانیوں کا لطف اٹھانے کے لیے آیا کرتے تھے۔ اس کے الفاظ اور انجمن اور انداز میں خداداد اثر تھا جو قوت کسب سے بہت بلند ہے۔ ادب اور تاریخ اس کی تحقیقات اور مطالعہ کے خاص صیغے تھے۔

قوموں کے عروج و زوال اور اس کے اسباب و حالات پر اکثر تقریریں کرتا۔ اس

وقت ان جگر کاویوں کے محرک زیادہ تر حاضرین کے نعرہ ہائے تحسین ہوتے تھے۔ اور انہیں کو اپنی محنت کا کافی بدل سمجھتا تھا۔ ہاں اس کے مذاق کی یہ روش دیکھ کر دیہ البتہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ یہ ہونہار بروا آگے چل کر کیسے کیسے پھول پھل لائے گا اور کیسے رنگ روپ نکالے گا ابھی تک اس نے ایک لمحہ بھر بھی غور نہیں کیا تھا کہ میری آئندہ زندگی ک کیا صورت ہوگی۔ کبھی سوچتا پروفیسر بن جاؤں گا اور خوب کتابیں لکھوں گا۔ کبھی وکالت کی طرف خیال دوڑاتا۔ کبھی سوچتا کاش وظیفہ مل جائے تو سول سروس کی تیاری کرلوں۔ کسی ایک طرف خیال نہ جمتا تھا۔

مگر پرتاپ چند ان طلباء میں سے نہ تھا جن کی تمام کوششیں مباحثے اور کتابوں ہی تک محدود رہتی۔ اس کے وقت اور لیاقت کا ایک قلیل حصہ رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی صرف ہوتا تھا۔ اس نے خلقتاً ایک ہمدرد اور غریب پرور دل پایا تھا۔ اور عوام میں ملنے جلنے اور کام کرنے کی لیاقت اسے باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ انہیں مشاغل میں اس کی توجہ اور سرگرمی پورے جوش میں تھی۔ اکثر شام کے وقت وہ کیٹ گنج کٹڑہ کی متعفن گلیوں کی خاک چھانتا دکھائی دیتا جہاں زیادہ تر نیچی ذاتیں آباد تھیں۔ اس کی صورت ان حصوں سے بہت مانوس تھی، جن لوگوں کے سایہ سے اونچی ذات کا ہندو دور بھاگتا ہے۔ ان کے ساتھ پرتاپ ٹوٹی کھاٹ پر بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرتا اور یہی وجہ تھی کہ ان محلوں کے بسنے والے اس پر فدا ہونے کو تیار تھے۔ نخوت اور عیش پرستی پر دوعیوب پرتاپ چند میں نام کو بھی نہ تھے۔ کوئی بیکس آدمی ہو پرتاپ اس کی دستگیری کے لیے تیار تھا۔ کوئی بیکس مریض ہو پرتاپ اس کا سچا غمخوار اور تیماردار تھا۔ کئی راتیں اس نے جھونپڑیوں میں کراہتے ہوئے مریضوں کے سرہانے کھڑے رہ کر گزار دی تھیں۔ اسی غرض سے اس نے رفاہ عامہ کی ایک سبھا قائم کر رکھی تھی۔ اور ڈھائی سال کے مختصر زمانے میں اس انجمن نے جتنی کارگزاری سے پبلک کی سیوا کی تھی۔ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔